مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

موجودہ دور میں مسلم دانشوروں کی ذمہ داری

مغربی سامراج کے عہد میں مغرب سے ثقافتی اور فکری سطح پر تاثر کے نتیجے میں بعض مسلم اہل قلم نے مشرق کے سلسلے میں ناقدانہ موقف اختیار کیا اور مغرب کے سلسلے میں کامل تقلید کا، انہوں نے ہر مغربی فکر کو سراہا اور ہر مشرقی چیز کی مذمت کی، ادیبوں، ناول نگاروں، قصہ نویسوں اور افسانہ نگاروں نے اپنے معاشرے کی نہایت گھناؤنی شکل پیش کی، سوسائٹی میں جتنی بھی برائیاں تھیں انہیں ایک ایک کر کے چن لیا اور اسے اپنی ادبی تحقیقات میں نہایت وسیع پیمانہ پر اور خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا، مشرقی معاشرے کی یہ تصویر اتنی تاریک تھی کہ خود مشرقی ذہنوں میں اس سے نفرت پیدا ہوئی، اہل قلم نے اپنے اس رویہ کی یہ تاویل پیش کی کہ اس طرح مشرقی معاشرے کی برائیوں اور کمزوریوں کو نمایاں کر کے اور دوسرے معاشرے کے محاسن اور خوبیوں کے پہلوؤں کو اجاگر کر کے مشرقی معاشرے کی برائیوں اور کمزوریوں کی اصلاح اور علاج ہو سکے گا، اس لیے کہ انسان کو جب اس کی شخصیت کو داغدار کرنے والی چیزوں اور دوسروں کی عزت و وقار کو چار چاند لگانے والی چیزوں کا علم ہوتا ہے تو وہ دوسروں کی خوبیوں کو اختیار کر کے اپنے اخلاق و سلوک اور موقف میں بہتری لانے کی زیادہ قدرت رکھتا ہے۔

ممکن ہے کہ یہ تاویل بعض ادیبوں کے حق میں صحیح اور درست ہو اور بعض اہل قلم کے اخلاص و ذہانت پر شک بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، مگر محض کسی کے برے پہلوؤں کو پیش کرنے سے دو طرح کے ردعمل ظاہر ہوتے ہیں: ایک تو غضب و غصہ، دوسرا احساس کمتری اور مایوسی۔ مشرقی معاشرہ جذبات و تاثر کی ان دونوں قسموں سے گزر رہا ہے، البتہ احساس کمتری کی راہ پر لے جانے والا ردعمل ماضی میں کچھ زیادہ اثر انداز رہا ہے، مشرقی ادیبوں اور قلم کاروں کی اس طرح کی تحریوں سے مغرب نے مشرقی قوموں کے دلوں پر اپنی عظمت و برتری کا سکہ بٹھانے اور اپنے طرز زندگی کو ان پر مسلط کرنے کے سلسلے میں کافی فائدہ اٹھایا ہے، اگر چہ یہ الزام عائد کرنا بھی انصاف کی بات نہیں کہ اس عہد کے تمام شعراء، دانشور اور اہل قلم مشرق بیزار اور مغرب پر فریفتہ تھے اور اپنے وطن، قوم اور معاشرہ کے لیے مخلص نہ تھے، لیکن یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ ان کی اکثریت نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ مرعوبیت کا موقف تھا اور ان کا یہ موقف غیر فطری عمل نہ تھا، بلکہ تہذیب و تمدن کے عروج و زوال اور فکر و نظر کے تصادم کی تاریخ کے ابتدائی مرحلے کا

قدرتی نتیجہ تھا، آج جو شخص بھی مغرب کے کسی ملک کا دورہ کرتا ہے اسے وہاں بعض خوبیوں کے ساتھ ساتھ برائیاں بھی نظر آتی ہیں اور خوبیوں میں زوال بھی نظر آتا ہے، حتیٰ کہ صفائی وستھرائی، امانت داری و دیانت داری اور امن و امان جیسے امور بھی مغربی زندگی کی اب خصوصیت نہ رہے بلکہ دن بدن ان تمام میدانوں میں حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں اور روز بروز پرانے پیمانے ٹوٹتے نظر آرہے ہیں اور قدیم سکے کھوٹے ثابت ہو رہے ہیں، غریبی وجہالت، فقر و بے روزگاری، تشدد و بنیاد پرستی، دینی عصبیت، مذہبی منافرت، فرقہ وارانہ فسادات صرف مشرقی زندگی کے خصائص یا مسائل نہ رہے، بلکہ ان مسائل اور مشکلات نے پورے یورپی معاشرہ کو اپنی زد میں لے رکھا ہے اور مشرقی یورپ میں تو اسے سکہ رائج الوقت کی حیثیت حاصل ہے۔

اس ضمن میں کچھ ایسی خرابیاں اور بیماریاں بھی ہیں جن میں یورپ کو قیادت عظمیٰ کا شرف حاصل رہا ہے، مثلاً انسانی ناموس کی پامالی، انسانوں کی زبوں حالی، نسل امتیاز، طبقاتی ناہمواری، انسانی حقوق سے انحراف، زبان و کلچر وتہذیب وثقافت اور فکر وخیال میں سخت گیر رویہ، حقائق کا الٹ پھیر اور موقع پرستی و نفع اندوزی کی خاطر حادثات کی مصنوعی صورت حال پیدا کرنا، نیز مقاصد اور اغراض کے حصول کے لیے ناجائز وسائل و ذرائع کا استعمال وغیرہ، رہ گئیں اخلاقی برائیاں اور خرابیاں تو یورپ اس میدان میں پہلے سے ہی پسماندہ تھا، اس نے پہلا وار اخلاق ہی پر کیا، اسے عقلیت پسندی اور حقیقت پسندی کا بڑا دعویٰ تھا، عقلیت پسندی آج یورپ والوں کے لیے وبال جان بن چکی ہے، کبھی تو اس سے عاجز آکر لامعقولیت کا چولہ پہن لیتے ہیں اور یہ طریقہ بھی زندگی میں ایک مذہب و مسلک کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، چنانچہ بڑے بڑے تعلیم یافتہ اور عقلاء اپنے وقت کا ایک بڑا حصہ لامعقولیت اور لاابالی پن میں گزارنے لگے ہیں۔

یورپ کی وہ اجتماعی وانفرادی زندگی جس میں مغرب کا انسان اقدار روایات، معقولیت واخلاقیت سے بالکل کٹ چکا ہے، یورپ کے سیاسی رجحانات اور میلانات کا جس نے بھی مطالعہ کیا ہے، وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ یورپ اس وقت لامعقولیت کی طرف بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے، یورپ کی سیاست کی بنیادیں، تحفظ مصالح اور مفادات کے تصورات پر استوار ہوتی تھیں لیکن مغرب کی موجودہ سیاست ان بنیادوں پر بھی الگ ہو چکی ہے، اب وہ انتشار و بدنظمی، لاقانونیت و انارکی کا شکار ہے، یورپ کی بیشتر حکومتیں گومگو اور شک و تردد، قوت ارادی کی کمزوری، غیر یقینی صورت حال کی کیفیت سے دوچار ہیں، کسی کی تابعداری میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی یہ کوئی ناقابل معافی جرم ہے، لیکن سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی نہایت کمزور شخص کی تابعداری کرے، اقوام متحدہ آج کل ان کمزوروں کے تابع ہیں جو قرار

دادوں اور تجاویز کے پاس کرانے یا پیش کرنے یا نشان راہ معلوم کرنے، یا ان حقائق کو سامنے لانے کی بھی طاقت نہیں رکھتے، چنانچہ آج اقوام متحدہ کی حالت ایک مجلس یا ادبی کلب یا اسٹیج سے بھی بدتر ہے۔

دنیا میں رونما ہونے والے حوادث پر جس کی نظر ہے خصوصاً بوسنیا، ہرزے گووینا، صومالیہ، سوویت یونین کی سابق جمہوریاؤں، یوگوسلاویہ اور دیگر جگہوں پر جہاں خونریز تصادم، المناک حوادث اور سخت حالات درپیش آئے اور انسانی خون کی نہریں رواں ہوئیں، مسائل و حالات دن بدن مشکل ہوتے گئے، ان تمام حالات پر جس کی نظر ہے وہ اپنے اس احساس کو بھی نہیں چھپا سکتا کہ دنیا کسی ایسی طاقت کے نہ ہونے کی وجہ سے جو توازن کو برقرار رکھتی، بڑی تیزی سے انارکی، بدنظمی کی طرف بڑھ رہی ہے، آج دنیا میں کوئی طاقتور ہے نہ کوئی بڑا، امریکہ کا گمان ہے کہ وہ آقائے عالم ہے، دنیا کا ایک وہی سپر پاور ہے اور یہ کہ دنیا کا نیا عالمی نظام صرف وہی قائم کرسکتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کی عالمی بالادستی اور بین الاقوامی کنٹرول وجود میں آنے سے پیشتر ہی زمیں بوس ہوگئی اور پوری دنیا کو یہ معلوم ہوگیا کہ امریکہ اپنے تین چار فوجیوں کا بھی خسارہ برداشت نہیں کرسکتا اور نہ ہی وہ کسی علاقائی جنگ کے اخراجات یا اس کی ذمہ داریوں کو اٹھانے کی اہلیت رکھتا ہے اور نہ ہی وہ اپنی بالادستی کو کسی پر نافذ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، پاکستانی ایٹمی سائنسدان عبدالقدیر خان نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا اور سچ کہا تھا کہ امریکہ کا صرف ایک رعب ہے جو میڈیا کے ذریعہ مشرقی ملکوں کے حکمرانوں کے دلوں پر طاری کردیا گیا ہے ورنہ اس کے سارے دعوے کھوکھلے ہیں، وہ جو کچھ کامیابی حاصل کرتا ہے دوسروں کی طاقت استعمال کر کے، دوسروں کی زمین استعمال کرکے اور باغیوں کی مدد کرکے، دوسروں سے پیسہ وصول کر کے اور دوسروں سے جانوں کی قربانی دلوا کر اور جہاں اس کو یہ سہولتیں نہیں ملتیں، وہاں وہ صرف ہارا ہے، ہارا ہے، ہارا ہے، ویتنام، کوریا اور ایران اس کی مثال ہے جبکہ دوسری حکومتیں تو اور بھی بے حیثیت و بے دست و پا ہیں، وہ کسی طرح کے نقل و حرکت کی تمام تر توانائیوں سے محروم ہوچکی ہیں۔

ان تمام ترقی یافتہ ملکوں کا سیاسی کھوکھلا پن اس طرح طشت از بام ہو چکا ہے جس طرح ان کا اخلاقی دیوالیہ پن دنیا کے سامنے آچکا ہے اور کچھ عجب نہیں کہ ان حکومتوں کے اندر یہ ضعف و ناتوانی بھی جلد سرایت کر جائے کیونکہ وہ شباب کے مرحلے سے گزر کر پیری کے حدود میں قدم رکھ چکی ہیں، آج اقوام متحدہ کی باگ ڈور انہیں ماضی کی بڑی طاقتوں کے ہاتھ میں ہے، جو اس بات کی منتظر ہیں کہ اولوالعزم اور صاحب بصیرت افراد ہمت کر کے ان کے اس کھوکھلے پن کو ظاہر کردیں اور عالمی قیادت میں تبدیلی لائیں، جب تک زمانہ کی قیادت معذوروں کے ہاتھ سے دست و بازو رکھنے والے اور چشم بینا کے مالک افراد کے ہاتھ میں نہیں آجاتی، دنیا کا توازن درست نہ ہوگا۔